مسئلہ خلقِ قرآن
اور
جرح وتعدیل پر اس کے اثرات

مولانا محبوب فروغ احمد

یہ ایک واقعہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو غیروں سے زیادہ، اپنوں سے نقصان پہنچا اور بعض اوقات تو اپنوں سے پہنچنے والا نقصان اتنا سنگین ہوا کہ اس کا تصوّر ہی کلیجہ کو تھرّا کر رکھ دیتا ہے، حیرت ہوتی ہے کہ اسلام کا نام لینے والے، مسلم نوازی کا دم بھرنے والے یک دم کس طرح بدل جاتے ہیں، کیا گرد وپیش کا ماحول اس طرح بھی اثر انداز ہوسکتا ہے کہ آدمی عقل ہی کھو بیٹھے؟ کیا شیطانی وساوس اور فریب کاری کا تانا بانا اس قدر مضبوط ہوتا ہے کہ ساری کوششیں رائیگاں جائیں، بلکہ روز بروز شدت اور تناؤ ہی پیدا ہوتا چلا جائے؟

مسئلہ خلقِ قرآن کی ابتدائی وانتہائی تاریخ، اس کا عروج وزوال کچھ اسی طرح ہے جو اوّلاً یہود کی فریبی تحریک معتزلہ کی شکل میں ظاہر ہوئی پھر معتزلہ کے عقائد کی چھاپ امراء حکامِ سلطنت پر پڑی۔ ان کے ذہن ودماغ اس سے متاثر ہوئے، ان سب کی وجہ سے اس نے دینی رخ اختیار کرلیا۔

فرقہ معتزلہ

معتزلہ اسلام مخالف ایک فرقہ ہے، جس کی داغ بیل صحابہ کے دور ہی میں یہودیوں کے ہاتھوں پڑ چکی تھی اور تابعین کے دور میں یہ منصۂ شہود پر آگیا تھا، اموی دور میں اس نے بال وپر نکالے اور عباسی دور میں تو یہ پورے اسلامی فکر

پر عرصۂ دراز تک حاوی رہا۔ اس فرقے نے عقل کو نقل پر اس قدر ترجیح دی کہ ہر چیز کو نقل سے پہلے عقل کی کسوٹی پر پرکھا۔ جو ان کی عقلِ نارسا کے موافق نظر آیا، اسے تو ہاتھوں ہاتھ لیا، لیکن جو ان کی عقل کے ماورا وحی و نبوت سے متعلق رہا، اسے اس طرح جھٹک دیا جس طرح گرد و غبار، کپڑوں سے جھٹکا جاتا ہے۔

دراصل یہ وہ طبقہ تھا جو یونانی و سریانی فلسفہ سے متاثر ہوا، دوسری صدی میں ان علوم کا تعارف اور ان کے علماء سے اختلاط اس طرح ہوا کہ ان کو عربی زبان میں منتقل کرنے کا بیڑا، دار الخلافت نے اٹھایا، ان کی ذہانت میں گہرائی اور پختگی سے زیادہ سطحیت اور جدت تھی، اس کے نتیجہ میں، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے باہمی تعلق، کلام الٰہی، رویتِ باری، مسئلۂ عدل، تقدیر، جبر و اختیار سے متعلق ایسے مباحث و مسائل پیدا ہوئے، جو دینی حیثیت سے اس قدر ضروری تھے اور نہ دنیاوی حیثیت سے مفید۔ اس طبقہ کی باگ ڈور معتزلہ نامی فرقہ کے ہاتھوں میں تھی، ابوالحسن خیاط، اپنی کتاب "الاختصار" میں ان کے عقائد کا خلاصہ لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"کوئی شخص جب تک ذیل کے اصولِ خمسہ کا معتقد نہ ہو، معتزلی کہلانے کا سزاوار نہیں ہو سکتا: (۱) توحید (۲) عدل (۳) وعد و عید (۴) کفر و اسلام کے مابین ایک منزل (۵) امر بالمعروف ونہی عن المنکر"[۱]۔

پھر ان اصولِ پنج گانہ کی تشریح وتفسیر، عقل کی مدد سے کی گئی جن کا اسلام کے بنیادی عقائد پر براہِ راست اثر پڑا، بالخصوص عقیدۂ توحید اور عدل پر اس قدر زور دیا گیا کہ یہ لوگ اصحاب التوحید والعدل کہلانے لگے، عقیدۂ توحید کی تشریح کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو کسی ایسے وصف سے متصف نہیں کیا جا سکتا جو خلق میں پایا جاتا ہو اور حادث وفانی ہو... الخ[۲]

ہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ معانی (کلام، سمع، بصر، علم، ارادہ وغیرہ) کو محال سمجھنے لگے۔ اسی ضمن میں قرآن پاک جو کلام الٰہی ہے، اس کے صفتِ خداوندی ہونے کا انکار کر بیٹھے، بلکہ اس کو مخلوق مان کر، عام مخلوقات کی طرح حادث گردانا، پھر نظری وفکری بحث ومباحثہ کا دور شروع ہوا، حکومت سے

اس کا کچھ خاص لگاؤ نہ رہا، بلکہ بعض اوقات شاہانِ وقت کو ان مباحث سے اس قدر الرجی ہوتی کہ قتل وقتال تک کی نوبت آ پہنچتی۔

نقطۂ آغاز

یہ فتنہ دراصل اموی دور کی پیداوار ہے، عباسی دور میں اس کی خوب نشوونما ہوئی، بالآخر یہ اسی دور میں اپنی موت آپ مرگیا، تاریخی روایت کے مطابق سب سے پہلے اس مسئلہ کو اٹھانے والا شخص جعد بن درہم ہے جو خلافتِ امیہ کے آخری
تاجدار بادشاہ مروان الجعدی (ولادت ۷۲ھ/۶۹۲ء، وفات: ۱۳۲ھ/۷۵۰ء) ۱
کے دور میں سن ۱۱۸ھ میں زندقہ والحاد کی حالت میں مارا گیا، ابن اثیر نے ایک تاریخی بیان نقل کیا ہے جس سے جعد بن درہم کی قلعی کھل جاتی ہے:

هو اوّل من قال بخلق	مسئلہ خلق قرآن کو سب سے پہلے اٹھانے
القرآن، وهو الذی ینسب	والا شخص جعد بن درہم ہے، اسی کی طرف
الیه مروان الجعدی، وهو	مروان الجعدی منسوب ہے جو مروان
مروان الحمار آخر خلفاء	الحمار کے نام سے بھی مشہور ہے اور جو
بنی امیة، کان شیخه الجعد بن	بنی امیہ کے خلفاء میں سے آخری خلیفہ
درهم، قد أخذ الجعد بدعته	ہے، اس کا استاذ جعد بن درہم ہے،
عن بیان بن سمعان واخذها بیان	جس نے یہ بدعت بیان بن سمعان سے
عن طالوت بن أخت لبید بن اعصم	لی ہے، بیان نے طالوت بن اخت
زوج ابنته، وأخذها لبید بن اعصم	لبید بن اعصم سے جو اس کا داماد تھا،
الساحر الذی سحر رسول الله	اور لبید نے، جس نے رسول اللہ صلی اللہ
صلی الله علیه وسلم عن یهودی	علیہ وسلم کو جادو کیا تھا، یمن کے ایک
بالیمن، و أخذ عن الجعد	یہودی سے لیا۔ البتہ جعد سے لینے والا
الجهم بن صفوان ..... وأخذ	جہم بن صفوان ہے، اور جہم سے بشر
بشر المریسی عن الجهم وأخذ أحمد	بن غیاث المریسی، اور بشر سے احمد بن
بن أبی داؤد عن بشر ۳؎	ابی داؤد قاضی القضاۃ خلفائے بنی عباس نے لیا۔

اس سے یہ بات بالکل صاف جھلکتی ہے کہ اس کا تانا بانا یہودیوں سے جڑتا ہے اور بالکل تسلسل کے ساتھ یہ بدعت منتقل ہوتی ہوئی دورِ عباسی تک پہنچی، علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ جہم کی بشر سے ملاقات نہیں ہے، لیکن اس نے اس کے کلام سے استفادہ کیا ہے۔

ولم یدرك بشر الجهم بن صفوان، إنما أخذ مقالته، و احتجّ لها، ودعا إليها[۲]

جہم بن صفوان جو فرقۂ جہمیہ کا بانی ہے، اس کے متعلق علامہ زرکلی لکھتے ہیں:

جهم بن صفوان (۱۲۸ھ/ ۷۴۵م) السمرقندی أبومحرز من موالی بنی راسب رأس الجهمية، قال الذهبي: الضال المبتدع، هلك في زمان صغار التابعين، وقد زرع شرّاً عظيماً، كان يقضي في عسكر الحارث بن سريج الخارج على أمراء خراسان، فقبض عليه نصر ابن سيّار فطلب جهم استبقاءه فقال نصر لاتقوم علينا مع اليمانية أكثر مما قمت، وأمر بقتله، فقُتل[۳]	جہم بن صفوان السمرقندی ابو محرز بنی راسب کے موالی سے تعلق رکھتا ہے، جہمیہ کا بانی ہے، امام ذہبی نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ گمراہ بدعتی تھا، صغار تابعین کے دور میں ہلاک ہوا، اس نے ایک عظیم شر کا بیج بو دیا، حارث بن سریج، جس نے امراء خراسان کے خلاف عَلَم بغاوت بلند کر رکھا تھا، اس کے لشکر میں جہم قضا کا کام کرتا تھا، نصر بن سیار نے اس کو گرفتار کیا، تو جہم نے زندگی کی بھیک مانگی، لیکن نصر نے کہا: یمانیوں کے ساتھ جس قدر تم ہمارے خلاف رہ چکے ہو، اس سے زیادہ نہیں رہ سکتے، پھر اسے قتل کا حکم دے دیا، چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا۔

جہم کے بعد اس مسئلہ کو سب سے زیادہ بشر بن غیاث المریسی (المتوفی ۲۱۸ھ/ ۸۳۳ء) نے اچھالا۔ یہ بھی فرقۂ معتزلہ سے تعلق رکھتا تھا، فلسفہ سے متاثر، بلکہ اس کا داعی تھا، نسلاً یہودی تھا، ہارون رشید کے دور میں چھپا رہا، کیوں کہ

ہارون نے مسئلہ خلق قرآن کے متعلق کلام کرنے والوں کے خلاف قتل کا حکم دے دیا تھا، ابن اثیر لکھتے ہیں:

وھو بشر بن غیاث بن أبی کریمۃ أبو عبد الرحمٰن المریسی المتکلم شیخ المعتزلۃ وأحد من أضل المامون ..... قال ابن خلکان: جدّد القول بخلق القرآن وحکی عنہ أقوال شنیعۃ وکان مرجئاً والیہ تنسب المریسیۃ من المرجئۃ وکان یقول: إن السجود للشمس و القمر لیس بکفر، وانما ھو علامۃ للکفر[1]	بشر بن غیاث بن ابی کریمہ ابو عبد الرحمٰن المریسی جو متکلم، معتزلہ کا شیخ اور مامون کو گمراہ کرنے والوں میں سے تھا، ابن خلکان کہتے ہیں: کہ اس شخص نے مسئلہ خلق قرآن کے قول کی تجدید کی، اس سے مختلف قسم کے اقوالِ شنیعہ منقول ہیں، وہ مرجئی تھا اسی کی طرف مرجیہ کی ایک شاخ "مریسیہ" منسوب ہے، وہ کہتا تھا کہ سورج، چاند کو سجدہ کرنا کفر نہیں ہے، صرف علامت کفر ہے۔

مسئلہ خلقِ قرآن میں سیاسی رنگ

ایک عرصہ تک یہ مسئلہ فکری سطح سے اوپر نہ اٹھ سکا، صرف علمی حلقوں میں بحث ومباحثہ کی حد تک جانا جاتا تھا، مگر بعد میں چل کر یہ سیاسی رنگ اختیار کر گیا اور حکومت کی سرپرستی میں پروان چڑھنے لگا۔ اس کے نتیجے میں، دین بالخصوص حدیثِ رسول کے سلسلے میں جو نقصان امت کو سہنا پڑا، اس کی مثال شاید ہی مل سکے۔

اس سلسلے میں تاریخی اعتبار سے پندرہ سالہ دور جو عباسی خلفاء المامون، معتصم اور واثق کی خلافت کا دور ہے، انتہائی سخت مانا گیا ہے۔ اس دور میں ان تینوں حکمرانوں نے یکے بعد دیگرے، خلقِ قرآن کے نظریہ کی حمایت ہی نہیں کی، بلکہ اسے سرکاری مسلک قرار دیا۔ جس نے اسے نہ مانا، اس کو سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں، بعض پر کوڑوں کی بے تحاشا مار پڑی کہ ہوش وحواس جاتا رہے، بعض کے ہاتھ اکھڑوا دئے گئے، بعض کو تاریک جیلوں میں بند رکھا گیا، حتیٰ کہ بعض کو تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔ اسی لیے تاریخ وحدیث کے اوراق میں یہ مسئلہ "المحنۃ" کے نام سے مشہور ہوا

اسی سے مشتق کرکے "امتحن" یا ابتلی بالامتحان آو بالمحنۃ وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

اس مسئلہ کو سب سے پہلے مامون کے دور میں سرکاری حیثیت حاصل ہوئی، اس لیے مناسب ہے کہ اس کے حالاتِ زندگی پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

مامون اور مسئلہ خلقِ قرآن کی سرپرستی

عبداللہ المامون اور محمد الامین دونوں بھائی اور ہارون رشید کے بیٹے تھے۔ محمد الامین کے بعد مامون خلیفہ بنا، مامون جمعہ کی شب، ربیع الاول ۱۷۰ھ میں پیدا ہوا، اسی رات، اس کے چچا 'ہادی' کی وفات اور باپ ہارون الرشید کی تاج پوشی ہوئی، ۲۵ محرم ۱۹۸ھ میں اپنے بھائی "امین" کے بعد خلیفہ بنا، پورے بیس سال پانچ ماہ تک خلیفہ رہا، آخر ۲۱۸ھ میں طرسوس میں انتقال کیا۔

مامون شروع سے ہی علم دوست تھا، خاندانی شرافت کے ساتھ، ذاتی ذہانت وذکاوت بھی کام کر رہی تھی، حافظہ غضب کا تھا، ایک روز حدیث کے املا کے لیے بیٹھا تو مجلس میں یحییٰ بن اکثم ودیگر اکابر آکر بیٹھ گئے، مامون نے اس مجلس میں اپنی یادداشت سے تیس حدیثیں املا کرائیں، ابن اثیر اس کے حالات میں لکھتے ہیں:۔

وکانت له بصیرة بعلوم متعددة: فقهاً وطباً وشعراً وفرائض، وکلاماً، ونحواً وغریبه وغریب حدیث، وعلم النجوم [۱]	مامون مختلف علوم وفنون، فقہ، طب، شعر، فرائض، علم کلام، علم نحو، غریب النحو، غریب الحدیث اور علم نجوم کی بصیرت رکھتا تھا۔

مامون کے متعلق علم فرائض کا ایک عجیب وغریب واقعہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ ایک روز وہ مجلس میں تھا، علماء وامراء بھی اس کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ایک عورت آئی اور فریادی ہوئی کہ امیر المومنین میرے بھائی کا انتقال ہوگیا ہے۔ اس نے چھ سو دینار چھوڑے مگر مجھے ان میں سے صرف ایک دینار ملا، مامون نے فوراً کہا، تجھے تو تیرا حق مل گیا ہے۔ تیرے بھائی کے ورثاء میں دو بیٹیاں، ماں ایک

بیوی، بارہ بھائی اور تو (ایک بہن) ہے۔ عورت نے کہا ہاں! ایسا ہی ہے۔ پھر مامون نے کہا: دونوں بیٹیوں کو دو تہائی چارسو دینار ملے، ماں کو چھٹا حصہ سو دینار ملے، بیوی کو آٹھواں حصہ ۷۵ دینار ملے اس طرح پانچ سو پچھتر تو مکمل ہوئے اب بارہ بھائی ایک بہن بچے، تو بھائیوں کو دو دو، اور بہن کو ایک دینار، حساب برابر سرابر ہو گیا۔

مامون کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں: "عقائد کے لحاظ سے مامون معجونِ مرکب تھا، قرآن کے حادث ہونے کا قائل تھا۔ عام منادی کرادی تھی کہ جو شخص امیر معاویہ کو اچھا کہے وہ دائرۂ اطاعت سے باہر ہے [۸]

پھر آگے لکھتے ہیں:

"برامکہ کی صحبت نے، جو اس کی ابتدائی تعلیم و تربیت کے رہنما تھے، اس کو شیعہ پن کے خیالات سکھائے، آخر میں معتزلی اپنے فضل و کمال کی وجہ سے باریاب ہوئے، مامون کی قابل طبیعت نے ان کے عقائد کو بھی خیر مقدم کہا، اس دو طرفہ کشمکش میں سنیت کا جس قدر حصہ باقی رہ گیا وہ صرف خاندان کا قدرتی اثر تھا [۹]

اسی دو رنگی طبیعت کا نتیجہ تھا کہ اس نے "بدعت" کو جلدی قبول کیا، سنیوں کو بھی اپنی مجلس میں جمع کیا، مگر احقاقِ حق کے لیے نہیں بلکہ مناظرہ کے لیے، وہ ذاتی طور پر مذہبِ اعتزال کی طرف مائل تھا، اس کی مجلسوں میں اعتزال پسند علماء کی پذیرائی خوب سے خوب تر تھی، علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں۔

قد كان فيه تشيّع و اعتزال وجهل بالسنّة الصحيحة .... وكان على مذهب الاعتزال لأنه اجتمع بجماعة منهم بشر بن غياث المريسي، فخدعوه، أخذ	اس میں تشیّع و اعتزال کے ماسوا سنتِ صحیحہ سے جہالت بھی پائی جاتی تھی، چنانچہ آخری حال اعتزال ہی کا تھا، اس کے اردگرد، پوری ایک جماعت تھی، جن میں بشر بن غیاث بھی تھا، چنانچہ ان حضرات نے اس کو فریب میں رکھا، مامون نے ان فریبیوں سے یہ

عنهم المذهب الباطل	باطل مذہب قبول کیا، وہ علم دوست
وكان يحب العلم، ولم يكن	تھا، لیکن کامل بصیرت نہ تھی، چنانچہ
لهم بصيرة نافذة فيه،	اسی وجہ سے، دسیسہ کاروں کی دسیسہ کاری
فدخل عليه بسبب ذلك	کامیاب ہوئی اور باطل اس کے پاس
الداخل، وراج عنه الباطل	رواج پا گیا اس نے اس باطل کی دعوت
ودعا إليه، وحمل الناس	بھی دی، بلکہ آخری دور میں، بالخصوص
عليه قهرًا وذلك في آخر	خلافت کے آخری سال زبردستی لوگوں
أيامه وانقضاء دولته [۱]	کو اس پر مجبور بھی کیا۔

مامون کا حال بیان کرتے ہوئے شیخ محمد ابو زہرہ لکھتے ہیں:۔

"جب مشہور معتزلی ابو ہشام فوطی دربار میں حاضر ہوتا، تو مامون اس کے احترام میں سروقد کھڑا ہو جاتا اور کسی کے ساتھ یہ رویہ اختیار نہ کرتا، اس کی وجہ یہ تھی کہ مامون نے ابو ہذیل علاف سے ادیان و مذاہب کا علم حاصل کیا تھا، علاف کا شمار معتزلہ کے ائمہ میں ہوتا تھا۔"[۲]

مامون کے مذہبِ اعتزال سے متاثر ہونے کا یہ حال تھا کہ جب ۲۱۸ھ میں اس کا آخری وقت آپہنچا تو اس نے معتصم کو خلیفہ نامزد کرتے ہوئے درج ذیل وصیت کی:

وأوصى المعتصم بتقوى	معتصم کو بایں الفاظ وصیت کی کہ
الله عزّوجلّ، والرفق	اللہ سے ڈرتے رہنا، رعایا کے ساتھ
بالرعيّة، وأوصاه أن	نرمی کا برتاؤ کرنا، نیز وصیت کی کہ قرآن
يعتقد ما كان يعتقد	کے سلسلے میں اپنے بھائی کا جو مسلک
أخوه المأمون في القرآن	ہے اس سے انحراف نہ کرنا، بلکہ لوگوں
وأن يدعو الناس إلى	کو بھی اس کی دعوت دینا، پھر عبداللہ
ذلك، وأوصاه بعبد الله	بن طاہر، احمد بن ابراہیم اور احمد بن ابی
بن طاهر، وأحمد بن ابراهيم	داؤد (معتزلی) کے سلسلے میں وصیت
وأحمد بن أبي داؤد، وقال	کی کہ احمد بن ابی داؤد سے ہمیشہ مشورہ

شاورہ فی اُمورك، ولا تفارقہ — لیتے رہنا، اس کو الگ مت کرنا، البتہ
وایاك ویحیٰ بن اکثم ان تصحبہ[۲۱] — یحییٰ (محدث) سے ہمیشہ بچتے رہنا۔

اس سے اس کی ذہنیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ کس حد تک معتزلہ سے قریب بلکہ خلقِ قرآن کے مسئلہ میں متشدد تھا اور احمد بن ابی داؤد جس کو اس نے زندگی بھر اپنا مشیر خاص بلکہ دخیلِ کار بنائے رکھا، آخر وقت میں بھی اس کی وصیت سے اپنے دامن کو بچا نہ سکا۔ اس صحبتِ بد کا جو اثر پڑنا تھا، وہ پڑ کر رہا، ۲۱۲ھ میں اس نے سرکاری مسلک کا اعلان کر دیا، مجلسِ مناظرہ منعقد کر کے، امکانی حد تک اپنے نظریہ کی تائید میں دلائل فراہم کرتا، لیکن ابھی تک لوگ آزاد تھے کہ جو مسلک چاہیں اختیار کریں، مگر ۲۱۸ھ میں، جس سال مامون کا انتقال ہوا، معتزلہ کے اس ٹولے نے، جو اس کے گرد تھا، اس کو ذہن نشین کرا دیا کہ اب لوگوں کو اس بدعت کے ماننے پر مجبور کیا جائے، چنانچہ مامون نے "رقہ" سے، جہاں وہ مقیم تھا بغداد میں اپنے نائب اسحاق بن ابراہیم کو صرف چار ماہ میں تین خط لکھے، پہلے خط کا مضمون کچھ اس طرح تھا: "سب قاضیوں کو جمع کریں، امیر المومنین کا حکم سنا دیں، ان کا امتحان لیں، خلقِ قرآن سے متعلق ان کا اعتقاد خوب اچھی طرح معلوم کر لیں، نیز یہ بھی ذہن نشین کرا دیا جائے کہ امیر المومنین "خلق القرآن" کے تئیں یہ نظریہ رکھتے ہیں، لہٰذا جن لوگوں کے عقائد سے امیر المومنین مطمئن نہیں ہوں گے ان کو معزول کیا جائے گا، پھر انھیں کوئی عہدہ نہیں سونپا جائے گا اور جو لوگ امیر المومنین کے ہم خیال ہوں گے ان کے ساتھ سرِ عام توقیر کا معاملہ ہوگا۔"

اخیر میں اس نے لکھا کہ "ان قضاۃ کی خوب نگرانی کیجئے، ان کی آرا سے مطلع کیجئے" نیز اس نے اس خط میں "خلقِ قرآن" سے متعلق کچھ آیات و احادیث کا بھی ذکر کیا تھا، مامون نے محدثین کی ایک جماعت کا بھی ذکر کیا تھا کہ ان کو 'رقہ' بھیجا جائے، امیر المومنین خود ان کا جائزہ لینا چاہتے ہیں، چنانچہ اسحاق نے تمام قاضیوں کو جمع کیا، محدثین میں سے محمد بن سعد کاتب الواقدی، ابو مسلم المستملی، یزید ابن ہارون، یحییٰ بن معین، ابو خیثمہ، زہیر بن حرب، اسماعیل بن ابی مسعود اور احمد الدورقی وغیرہ حضرات کو "رقہ" بھیجا، مامون نے وہاں مناظرے کروائے، دھمکیاں

دیں اور سختیاں کیں، چنانچہ ان محدثین نے دل میں اپنے اصل عقیدے کو رکھتے ہوئے زبان سے، مامون کی تائید کردی، پھر سب بغداد بھیج دیے گئے۔

تھوڑے ہی دنوں کے بعد مامون کا ایک دوسرا خط پہنچا، جس میں اوّلاً اپنی دانست کی آیات و دلائل کا ذکر کرنے کے بعد حکم دیا تھا کہ اس پورے خط کو علماء کے سامنے پڑھیں، لوگوں کو علماء سمیت خلقِ قرآن کی دعوت دیں"۔ چنانچہ اسحاق نے ائمہ کی ایک جماعت کو جمع کیا، جن میں احمد بن حنبل، قتیبہ، ابوحیان الزیادی بشر بن الولید، ابونصر التمار، ابومعمر القطیعی، محمد بن حاتم بن میمون، محمد بن نوح الجندی سابوری المضروب، ابن الفرخان، النضر بن شمیل، ابوعلی بن عاصم، ابوالعوام البارد ابوشجاع اور عبدالرحمٰن بن اسحاق تھے، جب یہ لوگ اسحاق کے پاس آئے تو اس نے انھیں مامون کا خط پڑھ کر سنایا، پھر بشر بن الولید سے پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا وہ کلام اللہ ہے، اسحاق نے کہا: میں یہ نہیں پوچھ رہا ہوں، میرا سوال یہ ہے کہ کیا وہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ انھوں نے کہا کہ خالق تو نہیں ہے۔ اسحاق نے کہا کہ میں اس بارے میں بھی نہیں پوچھ رہا ہوں تو بشر نے جواب دیا کہ: اس سے بہتر اور تو کچھ نہیں کہہ سکتا، تب جا کر اسحاق نے کہا:

تشہد ان لا الٰہ الا اللہ	کیا تو گواہی دیتا ہے کہ نہیں ہے
احداً، فرداً، لم یکن قبلہٗ	کوئی معبود سوائے اللہ واحد فرد کے، نہ
شیٔ، ولا بعدہٗ شیٔ، ولا یشبہہ	تو اس سے پہلے کوئی چیز ہوئی، نہ اس کے
شیٔ من خلقہ فی معنی من المعانی	بعد، مخلوق میں سے کوئی، کسی بھی معنی میں
ولا وجہ من الوجوہ	اور کسی بھی طرح مشابہ نہیں ہے۔

بشر نے کہا 'نعم' (ہاں)

اسحاق نے منشی کو حکم دیا کہ اس کو لکھ لیا جائے، اسی طرح اسحاق فرداً فرداً ہر ایک سے سوال کرتا رہا، اور اس لکھے ہوئے رقعہ کی تصدیق کرواتا رہا جب امام احمد بن حنبلؒ کی باری آئی تو انھوں نے کہا: القرآن کلام اللہ، لا ازید علی ھذا (قرآن اللہ کا کلام ہے، اس سے آگے کچھ نہیں کہہ سکتا) جب رقعہ کے بارے میں سوال کیا تو حضرت امام احمدؒ نے ارشاد فرمایا: لیس کمثلہ شیٔ وھو

السمیع البصیر" ایک معتزلی نے دربار ہی میں ٹوکا کہ یہ کہتا ہے کہ سمیع ہے کان سے، اور بصیر ہے آنکھ سے، اسحاق نے دریافت کیا کہ آپ کی کیا مراد ہے تو امام احمدؒ نے فرمایا کہ وہی مراد ہے جو اللہ نے مراد لیا ہے۔

اسحاق نے یہ ساری سرگزشت لکھ کر مامون کو بھیج دی۔ جب مامون نے ان علماء کے جوابات پڑھے تو برہم ہوا، پھر تیسرا خط لکھا جس میں اس بات کی تاکید کی تھی کہ لوگوں کا امتحان لیا جائے، ان میں سے جو عقیدۂ خلقِ قرآن کو قبول نہ کرے، اسے پابہ زنجیر پولیس کی حراست میں امیرالمومنین کے پاس روانہ کیا جائے، البتہ ابراہیم بن مہدی (جو بشر بن الولید کا شاگرد تھا) اور بشر بن الولید الکندی اگر قبول نہ کریں تو انھیں قتل کر دیا جائے، اسحاق نے فوراً شاہی فرمان کی تعمیل کی، سب کو جمع کیا اور انھیں خط پڑھ کر سنایا، چنانچہ تیس علماء میں سے صرف چار اپنی رائے پر قائم رہے، اور وہ تھے: احمد بن حنبل، محمد بن نوح، حسن بن حماد سجادہ اور عبید اللہ بن عمر القواریری، چنانچہ ان چاروں کو قید کر لیا گیا اور حفاظتی دستوں کے جلو میں امیرالمومنین کے پاس روانہ کر دیا گیا، راستہ میں بھی ابتلاء وامتحان کا سلسلہ جاری تھا، سختیاں بھی برتی جارہی تھیں، چنانچہ دوسرے دن حسن بن حماد سجادہ اور تیسرے دن القواریری، سختیوں کی تاب نہ لاکر، خلقِ قرآن کے حامی ہو گئے اور صرف امام احمد اور ابن نوح بچ گئے، چنانچہ بیڑیاں سخت کر دی گئیں، لیکن جب مامون کو پتا چلا کہ جن لوگوں نے اپنی رائے سے رجوع کیا ہے ان کے دل اب تک پرانے عقیدے پر جمے ہوئے ہیں تو پھر اسحاق کو فرمان جاری کیا کہ ان سب کو بھیجا جائے، چنانچہ سب کو مامون کے پاس طرسوس جاتے پر مجبور کیا گیا، جہاں مامون اس وقت روم سے جنگ کے لیے گیا ہوا تھا، حضرت امام احمدؒ نے دعا کی کہ اے اللہ! اس خبیث سے ملاقات سے محفوظ رکھ چنانچہ یہی ہوا کہ قافلہ ابھی راستہ ہی میں تھا مامون کا انتقال ہو گیا، محمد بن نوح بھی راہی ملکِ بقا ہو چکے تھے، مگر امام احمد کو لے جایا گیا۔ بقیہ علماء رقہ سے بغداد روانہ کر دئیے گئے۔ [۱۳]

امام احمدؒ کی ابتلاء و آزمائش

اب ساری ذمہ داری، امام احمدؒ پر عائد ہوتی تھی، لہٰذا حکومت کے مخالفانہ رویّہ کے پورے ہدف امام احمدؒ ہی تھے۔ انھیں رقہ سے بغداد لایا گیا، چار بیڑیاں ان کے پاؤں میں پڑی تھیں، تین دنوں تک مناظرہ ہوتا رہا، مگر آپ اپنے عقیدے پر جمے رہے، چوتھے دن ان کو والیٔ بغداد کے پاس لایا گیا۔ والیٔ بغداد نے کہا کہ اے احمد تم اپنی زندگی کو مصیبت میں کیوں ڈالے ہوئے ہو؟ امیر المومنین نے قسم تو نہیں کھائی ہے کہ تم کو قتل کر دیں گے، مگر اتنی بات ضرور ہے کہ مار پر مار پڑے گی، پھر حضرت امام احمد کو معتصم باللہ، جو مامون کے بعد خلیفہ بنا تھا، کے سامنے پیش کیا گیا، جب امام احمدؒ نے انکار کیا تو ۲۸ کوڑے اس طرح مارے گئے کہ ایک تازہ دم چابک بردار صرف دو کوڑے لگاتا، پھر وہ چلا جاتا، دوسرے تازہ دم چابک بردار آتے، لیکن امام احمد ہر مرتبہ یہی کہتے رہے اعطونی شیئاً من کتاب اللہ او سنۃ رسولہ حتی أقول بہ (میرے سامنے اللہ کی کتاب یا اس کے رسول کی سنت سے کوئی دلیل پیش کرو تو میں قائل ہو جاؤں گا)

امام احمد خود فرماتے ہیں کہ جب میں زنجیروں اور ہتھکڑیوں میں مامون کے پاس لے جایا گیا، "رحبہ" مقام پر جابر بن عامر نامی ایک دیہاتی آیا، اس نے سلام کیا اور کہنے لگا: "اے احمد! آپ لوگوں کے پیشوا ہیں۔ ان کی دعوت کو قبول نہ کرنا، ورنہ پوری قوم کا گناہ قیامت میں تم پر ڈالا جائے گا، اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو صبر کر، اس لیے کہ تیرے اور تیری جنت کے درمیان صرف تیری شہادت ہی کا فاصلہ ہے، اگر تجھے قتل نہ بھی کیا گیا تو مرے گا ضرور اور اگر زندہ رہا تو اس طرح زندہ رہے گا کہ لوگ تیری تعریف کریں گے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس دیہاتی کی گفتگو میں اس طرح کا گداز تھا کہ میرے عزم میں اور بھی استقلال آ گیا، لیکن راستہ میں پتہ چلا کہ مامون ہلاک ہو چکا ہے، معتصم اس کا بھائی خلیفہ بن چکا ہے، وہ بھی اپنے بھائی کی ڈگر پر چلنے کا عزم رکھتا ہے۔ چنانچہ رقہ سے مجھے بغداد لے جایا گیا، رمضان آ چکا تھا، قید خانے میں ڈال دیا گیا، ۲۸ مہینے جیل میں

رہا (بعض روایتوں میں تیس مہینے کا ذکر بھی آتا ہے) امام صاحب فرماتے ہیں کہ:

ایک روز مجھے قید خانے سے نکال کر ایک تاریک کمرے میں لے جایا گیا جہاں میں نے تیمّم کے لیے ٹٹولا تو پانی کا پیالہ ہاتھ لگا، میں نے وضو کر کے نماز پڑھی، پھر صبح مجھے معتصم کے پاس لے جایا گیا، اس کے پاس احمد بن ابی داؤد قاضی القضاۃ بیٹھا تھا، معتصم بعض اوقات نرم پڑ جاتا تھا، مگر ابن ابی داؤد کا شکنجہ اس قدر سخت تھا کہ اس کا قلب و دماغ ماؤف ہو چکا تھا، پھر تشدّد پر اتر آتا، مناظرہ کے لیے لوگوں کو کہتا، لوگ مناظرہ کرتے، تین دنوں تک یہ سلسلہ رہا، چوتھی شب میں نے یقین کر لیا کہ کل ضرور کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے، اس لیے بیڑیاں کس لیں، تہہ بند ٹھیک کر لیا کہ مبادا کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آئے اور میری ستر کھل جائے، چوتھے دن جب مجھے معتصم کے دربار میں لایا گیا تو جلّادوں اور کوڑا مارنے والوں کی صفیں لگی تھیں، مناظرہ شروع ہوا، ایک ایک شخص بولتا، میں اس کا جواب دیتا جاتا، ادھر ابن ابی داؤد قاضی القضاۃ اور اسحاق بن ابراہیم والیٔ بغداد مسلسل خلیفہ کو ورغلاتے رہے یہاں تک کہ اس نے برہم ہو کر کہا: "پکڑو اور کھینچو، ان کے ہاتھ اکھیڑ دو" معتصم کرسی پر بیٹھ گیا، کوڑا لگانے والے بڑھے، پوری قوت سے مارا جاتا کہ اگر ہاتھی پر بھی لگتے تو وہ چیخ مار کر بھاگ جاتا، ۱۹ کوڑوں کے بعد پھر معتصم میرے پاس آیا اور کہنے لگا "احمد کہو! اپنی جان کے پیچھے کیوں پڑے ہو" لیکن میں نے پہلا سا جواب دیا کہ "کتاب وسنت سے کچھ لے آؤ" معتصم برہم ہوا اور کہنے لگا "کوڑا مارو" یہاں تک کہ میرے حواس ختم ہو گئے، مجھے جب ہوش آیا تو دیکھا کہ بیڑیاں کھول دی گئی ہیں، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ: "ہم نے تم کو اوندھے منہ گرا دیا، تم کو روندا" امام احمد کہتے ہیں "مجھ کو احساس بھی نہ ہوا" [۱۲]

اس پورے اٹھائیس ماہ کی قید وبند سے معتزلہ کو یقین ہو گیا کہ امام احمدؒ عزم واستقلال کے پہاڑ ہیں، وہ اپنے عقیدے سے پھر نہیں سکتے، اس لیے ان کو رہا کر دیا جائے، چنانچہ امام احمد رہا ہو گئے، جب معتصم کے بعد واثق خلیفہ بنا، تو اس نے بھی علماء پر کم ستم نہ ڈھائے، مگر امام احمد سے بس اتنا تعرض کیا کہ وہ گمنامی کی زندگی گزاریں، چنانچہ امام صاحب نے اپنے گھر سے نکلنا بھی چھوڑ دیا اور اس طرح

خفیہ طور پر فقہ وفتاویٰ اور حدیث کی خدمت انجام دیتے رہے۔

واثق کے عہد میں علماء پر جور و ستم

واثق اپنے چچا اور باپ سے کم نہ تھا۔ اس نے امام احمد سے تو کچھ زیادہ تعرض نہ کیا، لیکن دیگر علماء پر جور و ستم کے پہاڑ توڑے۔ علماء اس کے دربار میں لائے جاتے، اور انھیں سخت سے سخت تکلیفیں پہنچائی جاتیں حتیٰ کہ بعض اس فتنہ کی بھینٹ چڑھ گئے، ان میں حضرت امام شافعیؒ کے شاگرد مصری فقیہ یوسف بن یحییٰ البویطی اور نعیم بن حماد الخزاعی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، دونوں ایک عرصہ تک بغداد جیل میں خلق قرآن کے قائل نہ ہونے کی بنا پر قید رہے، آخر ان کا تابوت جیل خانہ سے ہی قبرستان کے لیے نکلا، احمد بن نصر الخزاعی کے ساتھ تو اس قدر بے دردی کا معاملہ ہوا کہ انھیں خلق قرآن کا قائل نہ ہونے کی وجہ سے تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔ انھوں نے تڑپ تڑپ کر اپنی جان خدا کے حوالے کر دی۔[۱۵]

فتنہ کا اختتام اور اس کے اثرات

یہ فتنہ، اسلامی دور کا ایک المناک فتنہ ہے، جس میں سیکڑوں علماء اسلام جسمانی تکلیف اور قلبی اذیّت سے دوچار ہوئے، بعض نے اپنی جانیں بھی قربان کر دیں، لیکن اس سے بڑھ کر المیہ یہ ہوا کہ بعض اکابر نے اسی کو معیار بنا کر، جرح و تعدیل کی بنیاد رکھ دی اور بڑے بڑے محدثین کو اسی بنیاد پر مطعون کیا گیا کہ انھوں نے کسی نہ کسی نوعیت سے اس مسئلہ میں حصہ لیا تھا، کتب جرح و تعدیل میں اس قسم کی تنقیدیں بکثرت ملیں گی۔ بڑے بڑے محدثین اس کی زد میں آگئے ہیں۔ تو کیا آنکھ بند کر کے اس جرح و تنقید پر یقین کر لیا جائے اور اس طرح محدثین کو مجروح کر کے ان کا اعتبار ختم کر دیا جائے۔ یہ اسلام کی کوئی مفید خدمت ہوگی یا اس کے حق میں سخت ضرر رساں ہوگا۔ علامہ ابن قتیبہ الدینوری (۲۱۳ھ / ۲۷۶ھ) جو اس دور کے عینی شاہد ہیں، اپنی کتاب الاختلاف فی اللفظ میں اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

لا یخلو کتاب ألف بعد	امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کے فتنۂ آزمائش
محنة الإمام أحمد فی	کے بعد جو کتاب بھی "رجال" کے باب میں
الرجال من البعد عن	لکھی گئی ہے، جن اہل بصیرت نے ان
الصواب لا یخفی علی أهل	کتابوں کا بغور مطالعہ کیا ہے ان سے مخفی
أهل البصیرة الذین درسوا	نہیں ہے کہ یہ کتابیں صدق وصواب
تلك الکتب بإمعان [۱۶]	سے دور ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس فتنہ کے بعد ایک دوسرا فتنہ شروع ہوا، جس کا اثر جرح و تعدیل کے باب میں بڑی تیزی اور پوری قوت کے ساتھ پڑا، پہلے ہم اس فن میں لکھی گئی کتابوں کی روشنی میں، بلکہ بعض صریح نصوص سے ان نتائج بد کا تتبع کریں گے، جو راست حدیث کے اس بنیادی باب پر اثرانداز ہوئے، پھر بطور مثال ان اکابر کا مختصر ذکر کریں گے، جو علمِ حدیث کے لیے ستون کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن وہ بھی اس فتنہ کے معنوی اثرات سے بچ نہ سکے۔

اس فتنہ کے اثرات حدیث کے باب میں اس طرح ظاہر ہوئے کہ:

(۱) کچھ حدیثیں ایسی بھی گھڑی گئیں جو خلقِ قرآن، یا عدم خلقِ کلام سے متعلق تھیں [۱۷]

(۲) جرح و تعدیل کے سلسلے میں ایک الگ موقف اپنایا گیا، چنانچہ مامون اور اس کے ساتھ احمد بن ابی داؤد ان تمام روایتوں کو رد کر دیتے تھے جو ان رواۃ کے طریق سے ہوتیں جو خلقِ قرآن کے قائل نہ تھے اور ان گواہوں اور ان قاضیوں کی تفسیق کیا کرتے جو ان کے عقیدے سے متصادم عقیدہ رکھتے تھے۔ اسی طرح محدثین بھی خلقِ قرآن کے قائلین کی تفسیق کیا کرتے تھے [۱۸]

(۳) اس مسئلہ میں اہلِ حق کے بھی مختلف گروہ ہو گئے، جو ایک دوسرے پر طعن و تشنیع سے کام لیتے تھے

(الف) جنھوں نے صبر کیا اور تمام تر مصیبتیں جھیلتے رہے، لیکن انھوں نے کبھی ان معتزلہ نواز حکمرانوں کی ہاں میں ہاں نہیں ملائی، جیسے امام احمد، البویطی، نعیم ابن حماد وغیرہ

(ب) کچھ وہ لوگ تھے جو ان مصیبتوں کو برداشت نہ کر سکے اور بظاہر ان حکمرانوں

کی ہاں میں ہاں ملا دیا، لیکن ان کے دل اہلِ حق کے عقیدے پر ہی جمے ہوئے تھے، مثلاً یحییٰ بن معین، القواریری وغیرہ۔

(ج) کچھ ایسے لوگ تھے جنھوں نے قرآن کو کلامِ الٰہی تو مانا، لیکن خلق وعدمِ خلق کا فیصلہ نہ کیا، بلکہ اتنا کہتے رہے لیس بخالق (قرآن خالق نہیں ہے) جیسے بشر بن الولید الکندی وغیرہ۔

(د) ان کے علاوہ کچھ وہ لوگ تھے جو تفصیل کیا کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ جو اللہ کی صفت ہے وہ تو غیر مخلوق قدیم ہے، البتہ کلامِ لفظی، جو مخلوقات کی صفت ہے، وہ مخلوق ہے، اسی کو "لفظی بالقرآن مخلوق" (جس قرآن کو زبان سے پڑھا جاتا ہے وہ مخلوق ہے) سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسے امام بخاری، امام ابوحنیفہ وغیرہ[۱۹]

(۴) چونکہ جمہور معتزلہ کا عمل، فروع میں حضرت امام ابوحنیفہ کی فقہ پر تھا، حتیٰ کہ بشر بن غیاث المریسی جو اس مسئلہ کی سرپرستی کر رہا تھا، وہ بھی حضرت امام ابویوسف کا شاگرد تھا، جب امام ابویوسف کو معلوم ہوا تو انھوں نے اس کو اپنے حلقۂ درس سے نکال دیا[۲۰]

لہٰذا جب معتزلہ واہلِ حق کے مابین کشمکش شروع ہوئی، اور ایک نے دوسرے کی تفسیق وتضلیل تک کی، تو بعض غلو پسندوں نے ہر اس شخص کی جرح کر ڈالی جو معتزلہ کے فروعی مسلک یعنی حنفیت میں اشتراک رکھتا تھا، اسی لیے کتبِ جرح وتعدیل میں حضرت امام ابوحنیفہ تک اس قسم کی جرح سے محفوظ نظر نہیں آتے ہیں[۲۱]

حدیث کے باب میں یہ چار نتیجے ابھر کر سامنے آئے، ان سے امت کا غیر معمولی نقصان ہوا، لیکن اس کے ساتھ، حدیث کے سلسلے میں اکابرِ امت کے جذبات بھی پہلے کے مقابلے میں زیادہ جوشیلے ہو گئے، اسی لیے انھوں نے امکانی حد تک حدیث ومحدثین کی حفاظت میں اپنی کوششیں صرف کیں۔

لیکن بہرحال امت کا ایک بڑا طبقہ خواہ مخواہ مشکوک ہو کر رہ گیا، حالانکہ اس پورے مسئلہ کی تنقیح سے یہ بات بالکل نکھر چکی ہے کہ یہ کس قدر اعتماد کے قابل ہے، بہرحال اب چند ان محدثین کا ذکر مناسب ہے جو اس سلسلے میں بعض

علماء کی نگاہ میں معتوب سمجھے جاتے ہیں، ویسے تو ان کی تعداد کتبِ جرح وتعدیل میں بے شمار ہے، مگر یہاں صرف ان علماء کے تذکرے پر اکتفا کیا جاتا ہے جنھیں لوگوں کی نگاہ میں بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہے۔ اس تذکرہ سے مقصود یہ ہے کہ جب یہ حضرات اس قسم کی جرح سے مجروح نہیں ہو سکتے تو دیگر رواۃ کیوں مجروح ہو سکتے ہیں؟ نیز یہ وہ حضرات ہیں جن سے بعض اکابر نے اسی بنیاد پر اجتناب کیا ہے تو کیا واقعی یہ حضرات اس قابل ہیں کہ ان سے دوری اختیار کی جائے اور ان کی روایتوں سے لوگوں کو روک کر اسلام کے بیش قیمت ذخیرے سے امت کو محروم کر دیا جائے۔

امام بخاریؒ

نام ونسب اس طرح ہے: محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن بردزبۃ (یا بذدزبۃ) الجعفی البخاری، ۱۹۴ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے، دس سال کی عمر میں طلبِ علم شروع کی، ۱۶ سال کی عمر سے اسفارِ علمی کے سلسلے میں شام، مصر، جزیرہ دو دو بار، بصرہ چار بار گئے جبکہ حجاز میں چھ سال رہے، امام بخاری خود فرماتے ہیں کہ: کوفہ و بغداد کتنی مرتبہ محدثین کے ساتھ گیا ہوں شمار نہیں کر سکتا، ابونعیم اور احمد بن حماد وغیرہ آپ کو "فقیہ ھٰذہ الاُمّۃ" کا لقب دیتے تھے[۲۲] حافظ ذہبی نے خلاصہ کے طور پر نقل کیا ہے:

کان إماماً، حافظاً حجّةً	امام بخاری امام، حافظ، حجت، فقہ و
رأساً فی الفقه والحدیث	حدیث کے ماہر اور مجتہد تھے، دین تقویٰ
مجتهداً، من أفراد العالم	پرہیزگاری اور للہیت میں دنیا کے چیدہ
مع الدین والورع، والتألّه[۲۳]	لوگوں میں سے تھے۔

آپ کا انتقال قریہ "خرتنک" میں عید الفطر کی شب ۲۵۶ھ کو ہوا۔

مسئلہ خلق قرآن کا اثر آپ کی زندگی پر کیا ہوا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے، کہ جب آپ کی آمد کی اطلاع نیشاپور ہوئی، تو (امام مسلم فرماتے ہیں کہ) محمد بن یحییٰ الذہلی شیخِ نیشاپور نے اپنی مجلس میں اعلان کیا کہ محمد بن اسماعیل آ رہے ہیں، جو استقبال کرنا چاہے وہ استقبال کرے، میں تو ان کا استقبال کروں گا۔ چنانچہ

نیشاپور کے امام محمد بن یحییٰ الذہلی سمیت علما، وحکّام شہر نے دو مرحلے کے فاصلہ پر آکر ان کا استقبال کیا۔ آپ پوری شان وشوکت سے شہر آگئے تو پھر محمد بن یحییٰ الذہلی نے اپنے شاگردوں میں اعلان کیا : "لا تسألوہ عن شئ من الکلام" (صفتِ کلام سے متعلق ان سے کچھ نہ پوچھو) اس لیے کہ اگر انھوں نے میرے عقیدے کے خلاف جواب دیا تو خواہ مخواہ منافرت پیدا ہوگی، نتیجتاً نواصب وروافض، جہمیہ ومرجئہ کو ہنسنے کا موقع مل جائے گا، روایت میں آتا ہے کہ لوگوں میں امام بخاری کی اس قدر پذیرائی تھی کہ جس جگہ آپ حدیث سناتے وہ کھچا کھچ بھر جاتی۔ لیکن کچھ عرصہ نہ ہوا کہ ایک آدمی نے ان سے یہ مسئلہ پوچھ ہی لیا، چنانچہ حضرۃ الامام نے جو جواب دیا ہے اس کے الفاظ ہر چند کہ حقیقت پر مبنی تھے، مگر وہی آپ کی ہتکِ شان کا ذریعہ بھی بنے حضرۃ الامام نے فرمایا " أفعالنا مخلوقۃ، وألفاظنا من أفعالنا" (ہمارے افعال مخلوق ہیں اور ہمارے الفاظ ہمارے افعال میں سے ہیں)۔

ابو حامد بن الشرقی فرماتے ہیں کہ امام ذہلی نے کہا :

القرآن کلام اللہ غیر مخلوق، ومن زعم "لفظی بالقرآن مخلوق" فھو مبتدع، ولا یُجالس، ولا یُکلّم، ومن ذھب بعد ھذا إلی محمد بن اسماعیل فاتّھموہ فانہ لا یحضر مجلسہ إلا من کان علی مذھبہ [۴۲]	قرآن کلام اللہ غیر مخلوق ہے جو کہے "لفظی بالقرآن مخلوق" تو وہ بدعتی ہے، اس کی مجلس سے احتراز کیا جائے گا، اس کی گفتگو سے پرہیز کیا جائے گا اور جو اس کے بعد محمد بن اسماعیل کے پاس جائے تو اس کو متہم سمجھو، کیوں کہ ان کی مجلس میں وہی شخص جا سکتا ہے جو ان کے مذہب پر ہوگا۔

ابن ابی حاتم الرازی لکھتے ہیں۔

قدم علیھم الری سنۃ ۲۵۰ھ سمع منہ أبی وابوزرعۃ ثم ترکا حدیثہ، عندما کتب الیھما محمد بن یحیی النیشاپوری، انہ اظھر	رے آپ ۲۵۰ھ میں پہنچے وہاں ابو حاتم وابو زرعہ نے سماع کیا، پھر ان کی حدیثیں اس وقت ترک کر دیں جبکہ امام ذہلی نے ان کو لکھا کہ وہ "لفظی بالقرآن

عندھم ان لفظہ بالقراٰن مخلوق [۲۵] مخلوق" کے قائل ہیں۔

علامہ تاج الدین سبکی اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فیا للّٰہ و المسلمین ایجوز	کیا کسی کے لیے گنجائش ہے کہ وہ
لاحد ان یقول : البخاری	کہے کہ بخاری متروک ہے، جبکہ وہی اس
متروک، وھو حامل لواء الصناعۃ	علم شریف کے علم بردار ہیں اور اہل سنت
ومقدم اھل السنۃ والجماعۃ [۲۶]	والجماعت کے پیشوا ہیں۔

علی بن المدینی

امام علی بن عبداللہ بن جعفر ابن المدینی، مدینہ کے رہنے والے ہیں، بعد میں بصرہ چلے گئے [۲۷] امام بخاری و امام داؤد جیسے اکابر کے شیوخ میں شمار ہوتے ہیں ابن عیینہ آپ کے استاذ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: لوگ مجھے علی بن المدینی سے محبت کرنے پر ملامت کرتے ہیں، بخدا میں نے علی بن المدینی سے جتنا علمی استفادہ کیا ہے اتنا انھوں نے مجھ سے نہیں کیا ہے، امام بخاری فرماتے ہیں: ما استصغرت نفسی الا بین یدی علی۔ (میں نے اپنے آپ کو کسی کے پاس کہتر نہیں سمجھا سوائے علی بن المدینی کے[۲۸])

ابن عیینہ آپ کو "حیۃ الوادی" (وادی کا سانپ) کہا کرتے تھے [۲۹] آپ کا انتقال ذی قعدہ ۲۳۴ھ اور ایک روایت کے مطابق ۲۳۵ھ میں ہوا، اس وقت آپ کی عمر ۷۳ سال کی تھی، بخاری، ابو داؤد، نسائی، ترمذی میں آپ کی روایات موجود ہیں، بلکہ امام بخاری نے تو اپنی کتاب کو علی ابن المدینی کی روایت سے بالکل بھر دیا ہے۔

لیکن اس کے باوجود "فتنۂ خلق قرآن" میں متہم ہونے کی بنا پر بعض محدثین نے آپ پر نقد اور کلام کیا ہے۔

واقعہ یہ تھا کہ آپ کو اس قدر ستایا گیا کہ نحیف و ناتواں جسم زیادہ سختیاں برداشت نہ کرسکا، ابن ابی داؤد جو اس فتنہ کا سرغنہ تھا، برابر علماء کی ایذا رسانیوں میں لگا رہتا، یہی وجہ ہے کہ علی بن المدینی سے بعض باتیں محض ابن ابی داؤد کو خوش رکھنے کے لیے بھی مروی ہیں۔ اس کی حقیقت اللہ کو معلوم ہے۔

ابراہیم حربی سے سوال کیا گیا کہ کیا علی بن المدینی متہم بالکذب ہیں؟ تو انھوں

نے انکار کیا اور کہا: "کان یحدث بحدیث فزاد فی خبرہ کلمۃ لیرضی بہا ابن ابی داؤد" (وہ حدیث بیان کرتے اور کسی کلمے کا اضافہ ابن ابی داؤد کو خوش کرنے کے لیے کر دیا کرتے تھے) ہر چند کہ یہ قول صیغۂ تمریض سے بیان کیا گیا ہے جو ضعف پر دلالت کرتا ہے، محمد بن عبداللہ بن عمار الموصلی کہتے ہیں کہ ابن المدینی نے فرمایا

ما فی قلبی شئ مما اجبت	میرے قلب میں اس کے بارے میں
الیہ و لکنی خفت ان اُقتل	جس کو میں نے قبول کر لیا، کچھ نہیں ہے،
قال: وتعلم ضعفی انی لو	لیکن مجھے اپنے قتل کیے جانے کا اندیشہ
ضُربت سوطًا واحدًا،	تھا، نیز میرا ضعف تو دیکھو اگر ایک کوڑا
لمتُّ ۳۰؎	بھی مجھے مارا جاتا تو میں مر جاتا۔

ابن عمار اسی لیے فرمایا کرتے تھے: ما اجاب إلی ما اجاب دیانۃً إلا خوفًا (ابن المدینی نے محض خوف کے مارے اس کو قبول کر لیا) علی بن المدینی خود اپنا حال بیان کرتے ہیں: "لم احد بدًا من متابعتهم لانی حبست فی بیت مظلم وفی رجلی قید حتی خفت علی بصری" (مجھے ان کی بات مان لینے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ تھا، اس لیے کہ میں ایک تاریک گھر میں قید کر دیا گیا تھا، میرے پاؤں میں بیڑی پڑی تھی اور مجھے اپنی بینائی کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو گیا تھا)

یہی وجہ ہے کہ انھوں نے خطرہ ٹل جانے پر اپنے عقیدہ کا یوں اعلان کیا:

من زعم ان القرآن	جو یہ کہے کہ قرآن مخلوق ہے وہ کافر
مخلوق فهو کافر، ومن زعم ان	ہے، جو کہے کہ اللہ کے لیے رویت نہیں
اللہ لایری فهو کافر، ومن زعم	وہ کافر ہے اور جو کہے کہ اللہ نے حقیقت
ان اللہ لم یکلم موسیٰ علی الحقیقة فهو کافر	میں حضرت موسیٰ سے کلام نہیں کیا وہ کافر ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

تکلم فیہ احمد ومن تابعہ	امام احمد اور ان کے متبعین نے محض ان
لأجل ما تقدّم من إجابتہ فی المحنة	کے فتنہ میں شامل ہو جانے کی وجہ سے ان
وقد اعتذر الرجل عن ذلك و	پر کلام کیا ہے حالانکہ وہ معذور تھے اور انھوں
تاب وأناب ۳۲؎	نے بعد میں توبہ و انابت بھی کر لی تھی۔

لیکن اس کے باوجود ابوزرعہ اور علامہ عقیلی وغیرہ نے اسی بنا پر ان سے روایت ترک کردی ہے، علامہ عقیلی نے تو ان کا ذکر اپنی کتاب "کتاب الضعفاء" میں کیا ہے، جس پر امام ذہبی بہت برہم ہوئے، انھوں نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے:

افما لك عقل یا عقیلی؟	اے عقیلی تم کس کے متعلق کلام
اتدری فیمن تتکلم ۳۳	کر رہے ہو، کیا تمہیں کچھ عقل بھی ہے؟

یحیٰ ابن معین

ابوزکریا یحییٰ بن معین المری البغدادی، امام المحدثین اور امام جرح و تعدیل ہیں ۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے، مدینہ میں ذی قعدہ ۲۳۳ھ میں انتقال ہوا جس تخت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا گیا تھا اسی تخت پر آپ کو بھی غسل دیا گیا پھر جنت البقیع جیسے بابرکت قبرستان میں ہمیشہ کے لیے آسودۂ خواب ہوئے، ان کی روایات حدیث کی تمام کتابوں میں ہیں۔

یحییٰ ابن معین بھی ان سات لوگوں میں سے ہیں جن کو اسحاق بن ابراہیم نے دربارِ خلافت میں مامون کے پاس بھیجا تھا، اور جنھوں نے مامون کی دعوت کو دل سے ناپسند کرتے ہوئے قبول کرلیا تھا۔ چنانچہ یہی چیز ان کے حق میں سببِ جرح ہوگئی، حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں امام احمد کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام احمد فرمایا کرتے تھے: أكره الكتابة عمن أجاب فى المحنة كيحيى، وأبي نصر التمار (جن لوگوں نے دورِ ابتلاء میں مامون کی دعوت پر لبیک کہا، مثلاً یحییٰ بن معین، ابونصر التمار، میں ان سب سے کتابتِ حدیث کو مکروہ سمجھتا ہوں) پھر امام ذہبی برارت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأما یحیى فقد قفز القنطرة	یحییٰ بن معین تو پل پار کرچکے ہیں، کیوں
یعنی بروایة الشیخین له	کہ شیخین نے ان سے روایت لی ہے
فلا یلتفت الی ما قیل	لہٰذا ان کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے
فیه ۳۴	اس کی جانب توجہ نہیں کی جائے گی۔

احمد بن منصور الرمادی

احمد بن منصور بن سیار "رمادہ" (یمن) کے رہنے والے تھے، ان کے اساتذہ میں ابو النصر ہاشم بن القاسم، عبد المجید بن عبد العزیز ابن أبی روّاد، حجاج المصیصی، زید بن الحباب اور عبد الرزاق وغیرہ ہیں۔ ان کے شاگردوں میں ابن ماجہ، ابن شریح ابن أبی حاتم اور ابو عوانہ ہیں، حدیث سے ان کے شغف کا حال یہ تھا کہ جب بھی کسی قسم کی شکایت ہوتی، محدثین کو جمع کرتے، حدیثیں پڑھواتے اور شفایاب ہو جاتے[۳۵] ۲۶۵ھ میں انتقال ہوا، ان کا مسلک خلقِ قرآن کے معاملے میں توقّف کا تھا، یہی وجہ ہے کہ جب ابو داؤد سے کہا گیا کہ آپ الرمادی سے روایت کیوں نہیں لیتے تو کہا کہ رأیتہ یصحب الواقفۃ فلم أحدث عنہ[۳۶] (میں نے ان کو مسئلہ خلقِ قرآن میں توقّف کرنے والوں کے ساتھ دیکھا اس لیے روایت نہیں لی)

حافظ نے تقریب میں ان کے بارے میں یہ حکم لگایا ہے: ثقۃ حافظ طعن فیہ أبو داؤد لمذھبہ فی الوقف فی القرآن[۳۷] (ثقہ اور حافظِ حدیث ہیں لیکن امام ابو داؤد نے خلقِ قرآن کے مسئلہ میں ان کے توقف کی وجہ سے ان پر طعن کیا ہے)

حالانکہ توقف کوئی ایسا اہم مسئلہ نہیں تھا کہ وہ سببِ طعن بنتا، یہ تو ایسے ہی ہے جیسے مشاجراتِ صحابہ کے دور میں بعض صحابہ الگ تھلگ رہے۔

حسین الکرابیسی

حسین بن علی بن یزید الکرابیسی، امام شافعی کے شاگرد ہیں، بلکہ آپ کا شمار کبار تلامذہ میں ہوتا ہے۔ ۲۴۵ھ میں آپ کی وفات ہوئی، مسئلہ خلقِ قرآن کی وجہ سے آپ بھی لوگوں کی نظروں سے گر گئے حنابلہ نے آپ کو الگ تھلگ اس لیے رکھا کہ حضرت امام احمدؒ نے ان کے سلسلے میں کلام کیا، اس لیے کہ امام احمدؒ کا مسلک تھا "القرآن کلام اللہ غیر مخلوق" لہٰذا جو کہے "القرآن مخلوق" تو وہ جہمی ہے[۳۸] جبکہ حسین الکرابیسی کا مسلک تھا" القرآن غیر مخلوق، ولفظی بہ مخلوق" جب امام احمد کی ناراضگی کی اطلاع ان کو ہوئی تو انھوں نے افسوس اور تعجب کا

اظہار کرتے ہوئے کہا:

ماندری أيش نعمل	اس نوجوان کے ساتھ کیا کیا جائے،
بهذا الفتى، ان قلنا:	اگر کہتا ہوں کہ قرآن مخلوق ہے تو بھی کہتا
مخلوق، قال: بدعة، وان	ہے یہ بدعت ہے اور اگر کہتا ہوں کہ
قلنا: غیر مخلوق، قال: بدعة.	غیر مخلوق ہے تو بھی اسے بدعت قرار دیتا ہے

ابن مندہ نے تو یہاں تک ذکر کیا ہے کہ امام بخاری، کرابیسی کے ساتھ تھے، انھوں نے "لفظی بالقرآن" مخلوق کا فقرہ انہی سے لیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ

نعمان بن ثابت الکوفی الامام، مذہبِ اہل سنت والجماعت کے روحِ رواں ہیں، ہر دور میں آپ کے فروعی مسلک سے وابستہ حضرات کی تعداد بکثرت رہی ہے، بلکہ ایک عرصہ تک قضاۃ اور ججوں کا تقرر بھی حنفیت کے ساتھ اسی وجہ سے مشروط رہا ہے کہ جس قدر گرفت مسائل کی، اور زورِ قوتِ استدلال کا اس مسلک میں ہے وہ کسی میں نہیں ہے، آپ سنہ ۸۰ ھ میں پیدا ہوئے، ۱۵۰ ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

آپ یحییٰ بن معین کے دور تک جرح سے محفوظ رہے، لیکن جب فتنۂ خلقِ قرآن ابھر کر سامنے آیا، تو دوسرے علماء کی طرح آپ پر بھی طعن وتشنیع کیا گیا، علامہ کشمیری لکھتے ہیں:

نُقل عنه (ابن معين)	ابن معین سے منقول ہے کہ میں
أني لم أسمع أحدًا يجرح	نے کسی کو حضرت امام ابوحنیفہ پر جرح
على أبي حنيفة رحمة الله	کرتے ہوئے نہیں سنا، اس سے معلوم
فعلم ان الامام الهمام رحمة	ہوا کہ حضرت الامام، ابن معین کے دور
الله تعالىٰ لم يكن مجروحًا الى	تک مجروح نہیں تھے، پھر امام احمد کا مشہور
زمن ابن معين، ثم وقعت وقعة	واقعہ پیش آیا اور لوگوں کے بارے میں
الامام احمد رحمه الله، وشاع	مختلف باتیں عام ہوئیں، محدثین کی جماعت

ماشاء، وصارت جماعة المحدثين	فرقوں میں تقسیم ہوگئی، ورنہ اس
فيه فرقاً، والاقبل تلك الوقعة توجد في	واقعہ سے پہلے سلف میں ایک جماعت تھی
السلف (جماعة) تفتى بمذهبه[۳۹]	جو حضرت الامام کے مسلک پر فتوی دیتی تھی۔

علامہ زاہد کوثری علیہ الرحمۃ نے بھی اپنی کتاب "تانیب الخطیب" میں امام ابوحنیفہ اور اصحاب ابی حنیفہ کے متعلق یہی لکھا ہے کہ متوکل کے دور میں یہ فتنہ دب تو گیا، مگر دوسری نوعیت سے پھر ابھرا، اس طور پر کہ تنقید کی تلوار تیز ہوئی حتی کہ :

فرموه. وأصحابه	لوگوں نے ابوحنیفہ اور ان کے
عن وتر واحد، ودوّنوا فيه	اصحاب پر طعن کیا، ان کے اور ان کے
وفي أصحابه مثالب مختلفة	اصحاب کے سلسلے میں مختلف قسم کے
بأسانيد مركبة، أوحتها	عیوب کچھ ایسی سندوں سے مدوّن کیے،
إليهم غضبتهم الظالمة،	جن کا القا بھڑکتے غصّے نے کیا تھا،
فجعلوا رقابهم بأيدي	چنانچہ انھوں نے آخرت میں اپنی گردنیں
أبي حنيفة وأصحابه في	حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے ماننے
الآخرة يسامحونهم اذا شاؤوا	والوں کے ہاتھوں میں دے دی ہیں،
ويقتصون منهم اذا أرادوا،	کہ وہ لوگ چاہیں تو معاف کریں اور چاہیں
كما كانت أقفيتهم بأيدي	تو بدلہ لیں، جیسا کہ انھوں نے اپنی گردنیں
قضاتهم في الدنيا باعترافهم،	دنیا میں حنفی قاضیوں کو دے رکھی ہیں،
ومسامحتهم هي الجديرة	اور چشم پوشی، کشادہ قلبی اور ظلم و زیادتی
بما عرف عن أبي حنيفة و	کرنے والے جاہلوں کے سلسلے میں کریمانہ
أصحابه من سعة الصدر وكرم	اخلاق کا مظاہرہ کرنا تو امام ابوحنیفہ اور ان
الخلال نحو جهلة المعتدين[۴۰]	کے اصحاب کا معمول ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جرح و تعدیل کی بنیاد، بعد کے ادوار میں، فتنۂ خلق پر رکھ دی گئی، آج کی دستیاب کتب جرح و تعدیل میں اس طرح کی زیادتیاں بھری پڑی ہیں، ہر چند کہ ان کی تردید بھی کسی نہ کسی نوعیت سے اسی جگہ، یا دوسری جگہوں پر موجود ہے، لیکن بعض اوقات، ذہن سے ایسا ذہول ہوتا ہے کہ آدمی معتبر لوگوں کے بارے

میں بھی کچھ سے کچھ کلام کر بیٹھتا ہے۔ اس سلسلے میں ابن دقیق العید کا مشہور جملہ ہر وقت سامنے رہنا چاہیے:

أعراض المسلمین حفرۃ من حفر النار وقف علی شفیرھا طائفتان من الناس: المحدثون والحکام[۱۶] (مسلمانوں کے ناموس جہنم کا ایک گڑھا ہے جس کے کنارے دو قسم کے لوگ کھڑے ہیں: محدثین اور حکام)

حواشی ومراجع

۱۔ تاریخ المذاہب الاسلامیہ: شیخ محمد ابوزہرہ، اردو ترجمہ، پروفیسر غلام احمد حریری، مطبوعہ مکتبہ تھانوی دیوبند ۱۹۹۵ء ص ۱۷۵

۲۔ مقالات الاسلامیین: ابوالحسن الاشعری، ۲۱۶/۱

۳۔ البدایہ والنہایہ: ابن کثیر، مکتبۃ المعارف بیروت، طبع/۷، ۱۴۰۸ھ ۳۵۰/۹

۴۔ میزان الاعتدال: شمس الدین الذہبی، مطبوعہ: دارالفکر، ۳۳۲/۱

۵۔ الأعلام: خیرالدین الزرکلی، دارالعلم للملایین، بیروت، طبع/۶، ۱۹۸۴ء ۱۴۱/۲

۶۔ البدایہ والنہایہ: ۲۸۱/۱۰ ۷۔ ایضاً ۲۷۵/۱۰

۸۔ المامون: علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۱۹۹۲ء ص ۲۱۲

۹۔ ایضاً ص ۲۱۳

۱۰۔ البدایہ والنہایۃ: ۲۷۵/۱۰

۱۱۔ تاریخ المذاہب الاسلامیہ ص ۲۰۶

۱۲۔ البدایہ والنہایہ: ۲۸۰/۱۰

۱۳۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: البدایہ والنہایہ ۱۰/ ۲۷۲-۲۷۴

۱۴۔ تاریخ دعوت و عزیمت: مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ: مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام، لکھنو، بار پنجم ۱۴۰۳ھ، ۹۷/۱-۹۹ بحوالہ تاریخ الاسلام للذہبی، ترجمہ الامام احمد: ۴۱-۴۹

۱۵۔ البدایہ والنہایہ: ۳۳۵/۱۰

۱۶۔ قواعد فی علوم الحدیث، مقدمہ اعلاء السنن تعلیق عبدالفتاح ابوغدہ، مطبوعہ: المکتبۃ الاشرفیہ، دیوبند، ۲۰۰۰ء، ۳۷۵/۱۹

۱۷ء ۱۸ء الحدیث والمحدثون : محمد ابوزہو : دارالکتاب العربی بیروت لبنان، ۱۴۰۴ھ ص ۲۳۱
۱۹ء خلاصہ از قواعد فی علوم الحدیث، مقدمہ اعلاء السنن، ۱۹/ ۳۷۰
۲۰ء الفرق بین الفِرَق : عبدالقاہر بن طاہر البغدادی، دارالمعرفۃ۔ بیروت ص ۱۲۴
۲۱ء السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی : الشیخ مصطفیٰ السباعی : المکتب الاسلامی، بیروت طبع چہارم ۱۴۰۵ھ، ص ۱۴۲
۲۲ء تہذیب التہذیب، ترجمہ الامام ابن حجر : دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۳ھ ۵/ ۳۶
۲۳ء الکاشف، ترجمہ الامام شمس الدین الذہبی، دارالقبلۃ للثقافۃ الاسلامیہ، جدہ ۱۴۱۳ھ ۲/ ۱۵۷
۲۴ء ہدیٰ الساری مقدمہ فتح الباری، ابن حجر، طبع بولاق، ۱۳۰۰ھ ص ۴۹۱
۲۵ء الجرح والتعدیل، ابن ابی حاتم الرازی، مطبوعہ : حیدر آباد دکن ۱۳۷۱ھ
۲۶ء قاعدہ فی الجرح والتعدیل (اربع رسائل) مصنف : تاج الدین السبکی : تحقیق وتعلیق : عبدالفتاح ابوغدہ، مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب، طبع پنجم، ۱۴۰۱ھ ص ۳۶
۲۷ء کتاب الانساب، الحافظ ابوسعد السمعانی، مطبوعہ : دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۹ھ ۲۵۹/۴
۲۸ء الکاشف : ۲/ ۷۳
۲۹ء تہذیب التہذیب : ۴/ ۲۲۰
۳۰ء ایضًا ۴/ ۲۲۳ ۳۱ء ایضًا ۳۲ء ایضًا ۴/ ۲۲۴
۳۳ء میزان الاعتدال، شمس الدین الذہبی، دارالفکر، ۳/ ۱۴۰
۳۴ء ایضًا ۴/ ۲۱۰
۳۵ء ۳۶ء تہذیب التہذیب : ۱/ ۵۷
۳۷ء تقریب، ابن حجر، المکتبہ الاشرفیہ دیوبند، ۱۴۰۸ھ، ص ۸۵، ۱۱۲
۳۸ء تہذیب التہذیب : ۱/ ۵۳۶
۳۹ء فیض الباری : العلامہ انور شاہ کشمیری۔ المکتبۃ الاشرفیہ دیوبند ۲۰۰۰، ۱/ ۱۶۹، کتاب العلم، باب العلم قبل القول والعمل۔
۴۰ء تانیب الخطیب، المحدث محمد زاہد الکوثری، مطبوعہ ۱۴۱۰ھ، ص ۶
۴۱ء الاقتراح فی بیان الاصطلاح ـــــ علی بن دقیق العید، دارالبشائر الاسلامیہ، بیروت : ۱۴۱۷ھ، ص ۳۴۴